www.KitaboSunnat.com

اعجازِ قرآنی کے متنوع پہلو

ڈاکٹر نبیل بن محمد ابراہیم ☆
مترجم: محمد عمران اسلم ☆☆

اَحکام فقہ میں قراءاتِ قرآنیہ کے اَثرات

جس طرح اس میں کسی بھی شخص کی دو رائے نہیں ہوسکتیں کہ قراءاتِ قرآنیہ (متواترہ ہوں یا شاذہ) شرعی اَحکام ومسائل پر اَثرات مرتب کرتی ہیں۔ بالکل اسی طرح اَحکام فقہ میں بھی قراءات کی اثر پذیری سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ قراءاتِ قرآنیہ کو فقہاء کس نظر سے دیکھتے ہیں اور کس طرح سے یہ فقہی اَحکام پر اثر انداز ہوتی ہیں اس بحث کو ہم دو عناوین میں پیش کرتے ہیں:

① قراءاتِ قرآنیہ کے بارے میں فقہاء کا مؤقف

② اَحکام فقہیہ میں قراءاتِ قرآنیہ کے اَثرات کی مثالیں

قراءاتِ قرآنیہ کے بارے میں فقہاء کا مؤقف

ائمہ فقہاء قراءاتِ قرآنیہ کے علماء ہونے کی وجہ سے بھرپور اہتمام کے ساتھ ان کو نقل کرتے ہیں اور انہی کی روشنی میں اَحکام شرعیہ مستنبط فرماتے ہیں۔ اب ہم قراءاتِ متواترہ اور شاذہ کے بارے میں فقہاء کا مؤقف پیش کرتے ہیں:

قراءاتِ متواترہ کے بارے میں فقہاء کی آراء

علم فقہ اور علم قراءات کی مدد سے احکام شرعیہ کی تبیین ووضاحت کرنے والوں میں سے ایک نام جلیل القدر تابعی امام حسن بصری رحمہ اللہ کا ہے جن کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لو أشاء أن أقول إن القرآن نزل بلغة الحسن البصری لقلت لفصاحته“

[أحسن الأثر لمحمود الحصری:ص۹۹]

”حسن بصری رحمہ اللہ کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے اگر میں یہ بھی کہنا چاہوں کہ قرآن ان کی لغت میں نازل ہوا، تو میں کہہ سکتا ہوں۔“

قراءاتِ قرآنیہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ آئمہ فقہاء مقام ومرتبے کے اعلیٰ معیار پر ہونے کے باوجود علماء قراءات کی تعظیم کرتے اور پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے ان کی طرف رجوع کرتے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام حمزہ رحمہ اللہ (جو کہ قراء سبعہ میں سے ہیں) کے بارے میں فرماتے ہیں:

”دو چیزوں کا علم آپ میں بدرجہ اتم موجود ہے ایک قرآن اور دوسرا علم وراثت۔“[أحسن الأثر للحصری:ص۵۳]

◉ مالک بن انس رحمہ اللہ امام ابوجعفر رحمہ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

☆ مؤلف کتاب علم القراءات نشأته، أطواره، أثره في العلوم الشرعية

☆☆ فاضل کلّیة الشریعة، جامعہ لاہور الاسلامیہ ورکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"كان أبو جعفر رجلا صالحا يقرئ الناس في المدينة" [غاية النهاية لابن جزري:۳۸۲/۲]
''ابوجعفر رحمہ اللہ صالح آدمی تھے اور مدینہ میں لوگوں کو قرآن پڑھاتے تھے۔''

◉ اسی طرح امام نافع رحمہ اللہ کی قراءت کے بارے میں آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
"قراءة أهل المدينة سنة" [أحسن الاثر:ص۱۲] ''اہل مدینہ کی قراءت سنت ہے۔''

آپ رحمہ اللہ سے مزید دریافت کیا گیا کہ کیا اس سے مراد امام نافع رحمہ اللہ کی قراءۃ ہے تو آپ نے اِثبات میں جواب دیا اور جب امام موصوف سے نماز کے شروع میں بسملہ جہر سے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا:
"سلو نافعا فكل علم يسأل عنه أهله ، ونافع إمام الناس في القراءة" [لطائف الارشادات:۹۴/۱]
''یہ سوال امام نافع رحمہ اللہ سے کرو، کیونکہ ہر علم سے متعلق اس کے اہل سے سوال کرنا چاہیے اور نافع قراءۃ میں لوگوں کے امام ہیں۔''

◉ امام شافعی رحمہ اللہ امام نافع کی قراءت کے بارے میں فرماتے ہیں:
"قراءة نافع سنة" [لطائف الارشادات:۹۴/۱] ''امام نافع کی قراءت سنت ہے۔''

◉ جب امام احمد رحمہ اللہ سے آپ کی پسندیدہ قراءت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے اہل مدینہ یعنی امام نافع رحمہ اللہ کی قراءت کی طرف اِشارہ فرمایا۔

سابقہ بحث کے مطالعے سے اس بات کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ فقہاء کرام متعدد قراءات کا خصوصی التزام کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قراءت متواترہ اور غیر متواترہ، قراءتِ مقبولہ اور غیر مقبولہ کے مابین خوب تمیز روا رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ فقہاء کرام دو مختلف المعنی متواتر قراءات پر عمل کو واجب قرار دیتے ہیں اور ان کے نزدیک ان دونوں میں سے ایک کو دوسری پر اولویت حاصل نہیں ہے۔ احکام القرآن میں ہے:
"والقراء تان كالآيتين يجب العمل بهما" [أحكام القرآن لابن العربي:۱۴۹/۱]
''دو قراءات دو آیات کی طرح ہیں ان دونوں پر عمل کرنا واجب ہے۔''

◉ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ قراءاتِ قرآنیہ کے متعلق فرماتے ہیں:
''قراءات کی معرفت اور ان کو حفظ کرنا ایسی سنت ہے جس کی اتباع کی گئی ہے اور بعد میں آنے والوں نے اسے پہلوؤں سے اَخذ کیا ہے۔'' [مجموع الفتاوى:۴۰۴/۱۳]

علاوہ ازیں شیخ موصوف رحمہ اللہ قراءعشرہ سے متعلق علماء کرام کا مؤقف بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:
''علماء کرام میں سے کسی ایک نے بھی قراءتِ عشرہ کا انکار نہیں کیا، لیکن سوائے اس کے جو علم قراءت سے ناواقف ہے یا جس تک قراءاتِ قرآنیہ پہنچ نہیں سکیں۔

اس کے بعد مزید لکھتے ہیں کہ
''اگر کوئی شخص مغربی بلادِ اِسلامیہ میں سکونت پذیر ہے اور اس تک بعض قراءات نہیں پہنچیں تو وہ ایسی قراءات پڑھنے سے گریز کرے جن سے وہ نابلد ہے۔'' [مجموع فتاوى:۳۹۳/۱۳،۳۹۴]

قراءاتِ شاذہ سے متعلق فقہاء کی آراء

قراءاتِ شاذہ کو بطورِ دلیل اختیار کرنے میں فقہاء کرام کے دو مذاہب ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❶ قراءاتِ شاذہ حجت ہیں اور ان پر عمل کرنا جائز ہے۔

❷ قراءاتِ شاذہ حجت نہیں ہیں اور ان پر عمل کرنا بھی جائز نہیں۔

پہلے مذہب کے قائلین:

◉ احناف[فواتح الرحموت شرح مسلّم الثبوت للأنصاری:۱۶/۲]

◉ حنابلہ اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ [روضۃ الناظر:۸۱/۱]

◉ امام مالک رحمہ اللہ سے بھی یہی مذہب بیان کیا گیا ہے۔[شرح الکوکب المنیر للفتوحی:۱۴۰/۲۰]

◉ جمہور شافعیہ جن میں ابوحامد، ماوردی، ابن یونس، رافعی، ابن سبکی اور اسنوی رحمہم اللہ شامل ہیں، اور متاخرین شافعیہ نے بھی یہی مذہب اختیار کیا ہے۔

◉ کمال بن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"القراء ۃ الشاذۃ حجۃ ظنیۃ خلافا للشافعی" [کتاب التحریر مع شرحیہ:۹/۳]

''امام شافعی رحمہ اللہ کے (مذہب کے) برخلاف قراءۃِ شاذۃ ظنی حجت ہیں۔''

◉ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"والصحیح أنہ حجۃ، لأنہ یخبر- أی الصحابی الذی روی القراء ۃ الشاذۃ - أنہ سمع من النبی فإن لم یکن قرآن فھو خبر'' [روضۃ الناظر:۱۸۱/۱]

''صحیح یہ ہے کہ قراءاتِ شاذۃ حجت ہیں، کیونکہ یہ خبر ہیں۔یعنی وہ صحابی جو قراءاتِ شاذۃ بیان کر رہا ہے اس نے ضرور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ اگر وہ قرآن نہیں تو کم از کم خبر تو ضرور ہوگی۔''

◉ ابن سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" أما إجراؤہ مجری الأخبار الآحاد فی الاحتجاج فھو صحیح" [جمع الجوامع:۲۳۱]

''قراءاتِ شاذہ کو دلیل میں خبر واحد کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔''

◉ ابن حجر ھیثمی رحمہ اللہ اس کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"والقراء ۃ الشاذۃ یحتج بھا فی الأحکام کخبر الواحد علی المعتمد"

[تحفۃ المحتاج بشرح المنھاج:۲۸۹/۸]

''احکام میں قراءۃ شاذۃ کو بطورِ دلیل اختیار کیا جائے گا جیسا کہ خبر واحد پر اعتماد کیا جاتا ہے۔''

دوسرے مذہب کے قائلین:

◉ امام مالک رحمہ اللہ[مختصر ابن الحاجب مع شرحیۃ العضن:۲۱/۲]

◉ ایک قول کے مطابق امام شافعی اور آپ کے بعض اصحاب کا یہی مؤقف ہے۔[الأم للشافعی:۶۶/۷]

◉ امام احمد رحمہ اللہ سے بھی یہی مؤقف روایت کیا گیا ہے۔[أصول مذہب امام احمد:ص۱۸۶]

◉ امام ابن حزم رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[الأحکام فی أصول الاحکام:۱۷۰/۴،۱۷۱]

راجح مؤقف

ان دونوں مذاہب کے مطالعے سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

قراءاتِ شاذۃ کو اس وقت بطورِ دلیل اختیار کیا جائے گا جب وہ کسی حکم کی ترجیح کے طور پر استعمال ہو اور اس وقت اس کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا جب وہ کسی حکم کی ابتدائی دلیل کے طور پر وارد ہو۔

اَحکامِ فقہیہ میں قراءاتِ قرآنیہ کے اثرات کی مثالیں

① اَحکام فقہیہ میں قراءات متواترہ کے اثر انداز ہونے کی اَمثلہ

② اَحکام فقہیہ میں قراءات شاذۃ کے اثر انداز ہونے کی امثلہ

اَحکام فقہیہ میں قراءاتِ متواترہ کے اثر انداز ہونے کی امثلہ

* فرمانِ الٰہی ہے:

﴿...وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ [البقرۃ:۲۲۲]

① آیت میں موجود کلمہ 'یطھرن' کو 'ط' کی تخفیف اور سکون، اور ھاء کے ضمہ کے ساتھ 'یَطْھُرْنَ' پڑھا گیا ہے۔ یہ قراءت جمہور کی ہے۔

② طا اور ھاء کی تشدید اور ان کے فتحہ کے ساتھ 'یَطَّھَّرنَ'۔ یہ قراءۃ امام حمزہ، کسائی اور خلف البزار کی ہے۔

[النشر فی القراء ات العشر:۲/۲۲۷]

اس آیت کریمہ میں دو مختلف قراءتوں کی بناء پر دو مختلف حکم اَخذ کیے گئے ہیں:

❶ جنہوں نے 'طا' اور 'ھا' کی تشدید اور ان کے فتحہ کے ساتھ 'یَطْھُرْنَ' پڑھا ہے۔ انہوں نے اس کا معنی حیض کے خون کے زائل ہونے کا لیا ہے۔ یعنی انقطاع دم کے ساتھ ہی عورت پاک ہوجائے گی اور غسل سے قبل اس کے ساتھ جماع کرنا جائز ہوگا۔

❷ جنہوں نے تشدید کے ساتھ 'یَطَّھَّرن' پڑھا ہے۔ انہوں نے اس قراءۃ سے یہ معنی اخذ کیا ہے کہ عورت اس وقت تک پاک نہ ہوگی جب تک کہ غسل نہ کرلے اور غسل سے قبل اس سے جماع درست نہ ہوگا۔

[تفسیر الکبیر للرازی:۶/۴۲]

قراءکرام کا یہاں تشدید والی قراءۃ پر اجماع واقع ہوا ہے۔ پس آیت معنوی طور پر اس طرح ہوگی:

﴿وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ، فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ﴾

[جامع البیان للطبری:۲/۳۸۷]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پہلے قول کو ترجیح دیتے ہوئے انقطاع دم کے ساتھ ہی عورت کو خاوند کے لیے حلال قرار دیتے ہیں، لیکن امام صاحب رحمہ اللہ کی اجازت دو چیزوں کے ساتھ مقید ہے:

① خون کا انقطاع اس وقت ہو جب مدت حیض گزر چکی ہو (امام موصوف رحمہ اللہ کے ہاں زیادہ سے زیادہ مدت حیض دس دن ہے)

② خون کا انقطاع دس روز سے قبل ہو تو ایسی صورت میں غسل سے قبل بیوی کے ساتھ مخصوص افعال سر انجام دینا جائز نہ ہوگا۔ یا پھر عورت کو حیض کا خون نظر نہ آئے اور ایک نماز کا وقت گزر جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

[أحكام القرآن للجصاص:۱/۳۳۶]

جبکہ جمہور مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے تشدید والی قراءت سے استدلال کرتے ہوئے انقطاع دم کے بعد غسل سے قبل بیوی کے ساتھ جماع کو ناجائز قرار دیا ہے۔

جمہور کے مؤقف کی دو وجوہ سے تائید ہوتی ہے:

پہلی وجہ: انقطاع دم، یہ ان کی تشدید والی قراءۃ 'یطّھرن' کی تفسیر ہے۔

دوسری وجہ: پانی سے غسل کرنا، انہوں نے یہ تفسیر 'فَإذا تطّھرن' سے لی ہے، کیونکہ اس کو دوبارہ اس لیے لائے ہیں تاکہ طہارت کا حقیقی مقصد حاصل ہو جائے اور وہ تب ہی ہوگا جب غسل کر لیا جائے۔

ہم اس ضمن میں ایک مثال پیش کرتے ہیں جس کی مدد سے اس کی مزید وضاحت ہو جائے گی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَابْتَلُوْا الْيَتٰمٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغُوْا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ﴾[النساء:۶]

مذکورہ آیت میں یتیموں کو ان کے اَموال لوٹانے کو دو شرطوں کے ساتھ معلق کیا گیا ہے:

① بلوغت اور ② سن تمیز کو پہنچنا

یعنی جس طرح یتیموں کو ان کے اَموال لوٹانے کے لیے ان دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے بالکل اسی طرح بیوی کے ساتھ قربت اختیار کرنے کے لیے انقطاع دم کے بعد غسل کر لینا ضروری ہے۔

ذکر کردہ خیالات و آراء کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جمہور کا مؤقف قوی دلائل سے مزین ہونے کی بناء پر راجح ہے۔ آیت ﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾[البقرة:۲۲۲] میں ظاہر الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ طہارت سے مراد طہارت حسی ہے اور طہارت حسی پانی کے ساتھ غسل کے علاوہ حاصل نہیں ہو سکتی۔

☞ حق بات یہی ہے کہ تعارض سے بچتے ہوئے دونوں قراءتوں پر عمل کو ترجیح دی جائے۔

✱ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ مُّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾[البقرة:۱۲۵]

اس آیت کے لفظ 'واتخذوا' میں دو متواتر قراءات بیان کی گئی ہیں۔

❶ خاء کے فتحہ کے ساتھ 'واتَّخَذُوا'۔ فعل ماضی بمعنی خبر۔

❷ خاء کے کسرہ کے ساتھ 'واتَّخِذُوا' فعل امر بمعنی انشاء۔

پہلی قراءۃ کے قائلین کے دلائل:

اس قراءت کو پڑھنے والے امام نافع رحمہ اللہ اور ابن عامر رحمہ اللہ ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ اولاد ابراہیم علیہ السلام کی خبر ہے کہ انہوں نے مقام ابراہیم کو جائے نماز بنا لیا اور ﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا﴾ کا عطف ﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ پر ہو رہا ہے اور ان آیات میں مذکور 'جعلنا' اور 'واتخذوا' فعل ماضی ہیں اور ان دونوں میں فعل ماضی خبر کا معنی دے رہا ہے۔[حجة القراءات لابن زنجلة:ص۱۱۳]

یہ قراءت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد نے مقام ابراہیم کو جائے نماز بنایا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری قراءت امر کا فائدہ دے رہی ہے اور امر کسی بھی چیز کے وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ الحرام کا طواف کیا تو مذکورہ بالا آیت کی تلاوت فرمائی اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعات اَدا فرمائیں۔مزید فرمایا:

«لتأخذوا مناسككم» [صحيح مسلم:٣١٣٧] ''مجھ سے مناسک حج سیکھ لو۔''

فقہاء کرام نے اس آیت میں مختلف قراءات کی بناء پر مختلف استدلالات کیے ہیں جنہوں نے اسے صیغۂ خبر کے طور پر لیا ہے ان کا کہنا ہے کہ مقام ابراہیم کے پاس رکعات ادا کرنا سنت ہے۔اس کے قائلین امام مالک رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور ایک قول کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ ہیں۔[المغني لابن قدامة:٣٨٤/٣]

ان کا استدلال اعرابی کے اس قصہ سے بھی ہے جس نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کیا مجھ پر اس کے علاوہ بھی کوئی چیز فرض ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواباً فرمایا:

«لا، إلا أن تطوع» [صحيح البخاري:٤٦] ''نہیں، اس کے سوا نوافل ہیں۔''

علاوہ ازیں ان رکعات کی کوئی جماعت بھی مشروع نہیں ہے۔لہٰذا انہیں واجب نہیں بلکہ نفل ہی شمار کیا جائے گا۔

دوسری قراءۃ کے قائلین کے دلائل:

جنہوں نے اسے 'خا' کے کسرہ کے ساتھ 'واتَّخِذُوا' پڑھا ہے انہوں نے اسے صیغۂ امر کے معنی میں لیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ مقام ابراہیم کے قریب نوافل ادا کرنا واجب ہے، کیونکہ اَمر وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔یہ قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے۔[شرح فتح القدير:٤٥٦/٦]

فقہاء کرام اس پر تو متفق ہیں کہ مقام ابراہیم کے پاس دو رکعات اَدا کرنا مشروع ہے۔محل اختلاف یہ ہے کہ یہاں نماز اَدا کرنا سنت ہے یا واجب؟ یہ دونوں قراءتیں اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ مقام ابراہیم کو جائے نماز بنانا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے تھا اور وہ پتھر جس پر ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے وہ نماز کے لیے مخصوص نہ تھا۔

یہ قراءت اس آیت کو ایک اور معنی دیتی ہے اور وہ یہ کہ یہ خطاب مسلمانوں کو متوجہ کرنے کے لیے ہے۔پھر ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾...... ﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَأَمْنًا﴾ اور ﴿وَعَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ﴾ کے مابین جملہ معترضہ ہوگا۔

لہٰذا پھر اس بات کا بھی احتمال ہے کہ نماز بعد میں مشروع ہوئی پہلے مشروع نہیں تھی۔

- مالکیہ نے دونوں قراءتوں میں ایک سبیل یہ نکالی ہے کہ

''إن الصلاة خلف المقام تكون واجبة فى الطواف الواجب، وتكون مندوبة فى الطواف المندوب'' [شرح مختصر خليل للزرقاني:٣٧٤/٢]

''مقام ابراہیم کے پاس نماز ادا کرنا فرضی طواف میں فرض ہے جبکہ نفلی طواف میں نفل ہوگا۔''

- احناف کے نزدیک مقام ابراہیم کے پاس دو رکعات اَدا کرنا واجب ہے، جو کہ فرض اور واجب کے مابین فرق کرتے ہیں۔ان کا کہنا ہے:

''الفرض ما ثبت بدليل قطعي، والواجب ما ثبت بدليل ظني'' [بدائع الصنائع:١١٤٥/٣]

''فرض وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اور واجب وہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لہٰذا یہ حکم چونکہ دلیل قطعی سے معلوم ہو رہا ہے اس لیے فرض ہے۔اس کی تائید نیل الأوطار کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے:

’’فتحہ والی قراءت خبر پر دلالت کرتی ہے اور کسرہ والی روایت اَمر پر اور اَمر یہاں وجوب کا تقاضا کر رہا ہے۔‘‘

علماء کے مابین اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ مقام ابراہیم سے مراد کیا ہے۔فتح الباری میں ہے:’’خانہ کعبہ کی تمام جہات میں نماز ادا کرنے پر اجماع ہے۔‘‘ جو کہ عدم تخصیص پر دلالت کرتا ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مقام ابراہیم سے مراد وہ جگہ ہے جہاں ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشانات ہیں، کیونکہ جمیع جہات تب ہی کہیں گے جب ایک جہت مقام ابراہیم ہوگی۔

◉ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’المراد بمقام ابراهيم: الحرم كله، والأول أصح‘‘[فتح الباري:۳/۵۵]

’’مقام ابراہیم سے مراد سارے کا سارا حرم ہے اور اول زیادہ صحیح ہے۔‘‘

راجح مؤقف

درج ذیل وجوہ کی بناء پر ان رکعات کو سنت قرار دینے والوں کے مؤقف کو راجح قرار دیا جائے گا:

- کسی قرینے کی عدم موجودگی میں اَمر وجوب کا تقاضا کرتا ہے، لیکن یہاں قرینہ موجود ہے۔ وہ یہ کہ اعرابی کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:’’اس کے علاوہ باقی نوافل ہیں۔‘‘
- اکثر فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ مقام ابراہیم علیہ السلام کے پاس نماز اَدا کرنا سنت ہے۔انہوں نے دونوں قراءتوں کو جمع کر کے دونوں پر عمل کو ترجیح دی ہے۔

✳ فرمان الٰہی ہے:

﴿......وَلَا تُقٰتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قٰتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذٰلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِينَ﴾[البقرة:۱۹۱]

اس آیت قرآنیہ میں دو متواتر قراءات بیان کی گئی ہیں:

1. ان الفاظ میں ثبوت الف کے ساتھ:’تقاتلوهم، يقاتلوكم، قاتلوكم‘ یہ قراءت جمہور قراء کی ہے۔
2. دوسری قراءت مذکورہ تینوں افعال میں حذف الف کے ساتھ ہے۔یہ قراءۃ امام حمزہ، کسائی اور خلف البزار رحمہم اللہ کی ہے۔

’قاتل‘ ثبوت الف کے ساتھ ’فاعل‘ کے وزن پر باب مفاعلة سے ہے، جبکہ ’قتل‘ یہ ماضی ’فعل‘ ’نصر‘ کے وزن پر ہے۔

پہلی قراءت لڑائی کا سبب بننے سے روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو لڑائی کی ابتداء سے منع فرمایا ہے، لیکن اگر دشمن لڑائی اور جنگ وجدل کی ابتداء کرے تو ایسی صورت میں ان کے ساتھ لڑنا واجب ہوگا اگرچہ مسجد حرام کے قریب ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری قراءت جو کہ حذف الف کے ساتھ ہے وہ مشرکین کے حرم میں پناہ لینے پر انہیں قتل سے منع کرنے پر دلالت کرتی ہے، الا یہ کہ مشرکین بعض مسلمانوں کو حرم میں قتل کر دیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہاء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام میں قتال سے منع فرمایا ہے اور کسی بھی مسلم کے لیے روا نہیں ہے کہ وہ کسی کافر سے مسجد حرام میں لڑائی کرے ،الا یہ کہ کافر لڑائی کی ابتدا کرے ۔ایسی حالت میں مسلمان اپنا دفاع کرنے والا ہوگا۔

پہلی قراءت تو بالکل واضح ہے ۔البتہ جو اختلاف پیدا ہوا ہے وہ بیت اللہ میں حدود وقصاص کو نافذ کرنے کے مسئلہ میں ہے۔امام مالک رحمہ اللہ وشافعی رحمہ اللہ نے عمومی طور پر ہر زمان ومکان میں حدود وقصاص کو نافذ کرنے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ بیت اللہ میں حدود کو نافذ نہیں کیا جاسکتا۔

امام مالک رحمہ اللہ وشافعی رحمہ اللہ کی دلیل:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر خود تھا۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اتارا تو ایک آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگا: ابن خطل کعبہ کے پردوں کے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے قتل کردو'' [صحیح البخاري:۱۸۴۵]

فقہاء کرام مذکورہ فرمان سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کعبہ کے پردوں سے لپٹے ہوئے شخص کے قتل کا حکم دینا اس پر واضح دلالت ہے کہ جو بھی مشرک قتل کا مستحق ہوگا اسے قتل کیا جائے گا،چاہے وہ کسی بھی جگہ پر موجود ہو۔علاوہ ازیں حدود حرم اِقامت حد کو نہیں روکتی اور نہ ہی حد کو وقت مقررہ سے مؤخر ہی کیا جاسکتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ نے قرآن وسنت سے مختلف دلائل دیتے ہوئے بیت اللہ الحرام میں قتال اور نفاذ حدود کو ناجائز قرار دیا ہے۔ان کے دلائل ملاحظہ ہوں:

قرآن سے دلیل:

﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا﴾[آل عمران:۹۷]

اس آیت سے استدلال یہ ہے کہ اس میں بیت اللہ الحرام میں داخل ہونے والے کو جان ومال کا تحفظ عطا کیا گیا ہے لہٰذا بیت اللہ میں کسی پر کسی قسم کی زیادتی جائز نہیں ہے۔

سنت سے دلیل:

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

«فلا يحل لامرىء يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسفك بها دماً»[صحيح البخاري:۱۰۴]

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ یہاں خون بہائے۔''

احناف اور حنابلہ کا کہنا ہے کہ مالکیہ اور شافعیہ کی ذکر کردہ دلیل زمان ومکان کے عموم پر دلالت نہیں کرتی (یعنی یہ عمومی دلیل نہیں ہے) بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے ساتھ مقید ہو جاتی ہے جس میں آپ نے بیت اللہ میں خون بہانے سے منع فرمایا ہے۔مزید برآں فتح مکہ کا دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال تھا،حلت کا وقت صبح سے عصر تک جاری رہا اور ابن خطل کو اسی دوران واصل جہنم کیا گیا۔

[سبل السلام للصنعانی:۴/۲،۷۳]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راجح مؤقف

اس مسئلہ میں راجح مؤقف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا ہی نظر آتا ہے کہ بیت اللہ الحرام میں اقامت حدود اور خون بہانا جائز نہیں ہے الا یہ کہ اس کے لیے مجبور کر دیا جائے۔

* فرمان الٰہی ہے: ﴿وَلَا یُضَارَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَهِیدٌ﴾[البقرة:۲۸۲]

قراء عشرہ رحمہم اللہ نے اس آیت کے لفظ 'یضار' میں مختلف قراءتیں بیان کی ہیں۔ ابن کثیر، یعقوب اور ابوعمرو بصری رحمہم اللہ 'راء' کے ضمہ کے ساتھ 'یضارُ' جبکہ باقی تمام قراء رحمہم اللہ 'راء' کے فتحہ کے ساتھ 'یضارَ' پڑھتے ہیں۔

البتہ 'یضار' میں ضاد اور راء کے درمیان الف کو مد کے ساتھ پڑھنے میں کوئی اختلاف نہیں کیا گیا اور یہ التقاء ساکنین کی وجہ سے ہے۔[النشر:۲۲۸]

رفع والی قراءت سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں موجود 'لا' نافیہ ہے اور اس کے بعد مضارع مرفوع ہے اور فتحہ والی قراءت سے معلوم ہوتا ہے کہ فعل مضارع لائے نہی کے بعد مجزوم ہے اور اجتماع ساکنین کی وجہ سے فتحہ دیا گیا ہے۔

فتحہ والی قراءت فائدہ دیتی ہے کہ یہاں 'لا' نافیہ ہے اور لائے نفی لکھنے والے اور گواہ دونوں کو صاحب حق کی جانب سے ضرر کی نفی کرتی ہے اور رفع والی قراءت، لکھنے والے اور گواہ کو صاحب حق کو ضرر پہنچانے سے روکتی ہے۔

◉ شافعیہ کہتے ہیں:

”ومن مضارة الشهيد لصاحب الحق القعود عن الشهادة وليس فيها إلا شاهد أن فعليهما فرض أدائها وترك مضارة صاحب الحق بالامتناع من إقامتها، وكذلك على الكاتب أن يكتب إذا لم يوجد غيره“ [جامع لأحكام القرآن للقرطبی:۴۰۶/۱،۴۰۷]

''گواہ صاحب حق کو اس طرح ضرر پہنچا سکتا ہے کہ وہ بیٹھا رہے اور گواہی دینے کے لیے نہ جائے لہٰذا اسے صاحب حق کو نقصان سے بچانے کے لیے گواہی دینا فرض ہے ایسے ہی کاتب پر لکھنا فرض ہے جب کوئی دوسرا کاتب موجود نہ ہو۔''

بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے کتمانِ شہادت سے سختی سے منع فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ یَّكْتُمْهَا فَإِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ﴾[البقرة:۲۸۳]

''اور شہادت کو ہرگز نہ چھپاؤ اور شہادت کو چھپاتا ہے اس کا دل گناہ میں آلودہ ہے۔''

کتاب المغنی میں ہے:

''فرمان الٰہی ﴿وَلَا یُضَارَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَهِیدٌ﴾ میں موجود 'یضار' کو رفع اور فتحہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ جنہوں نے اسے رفع کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے اسے خبر شمار کیا ہے، اور یہاں خبر دو معنوں پر مشتمل ہے:

① یہ کہ کاتب فاعل ہو، یعنی کاتب اور شہید ضرر نہ پہنچائیں۔ وہ اس طرح کہ جب اس کو بلایا جائے تو حاضر نہ ہو یا کاتب ایسی چیز لکھ دے جو لکھوائی نہ گئی ہو یا گواہ ایسی گواہی دے جس کا اس سے تقاضا نہ کیا گیا ہو۔

② یہ کہ 'یضار' فعل ما لم یسم فاعله ہو، ایسی صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ کاتب اور گواہ کو تکلیف میں مبتلا نہ کیا جائے کہ ہر وقت ان کو اسی کام میں مشغول رکھا جائے جس سے ان کی زندگی کے دیگر معمولات معطل ہو جائیں۔[المغنی لابن قدامة:۱۴۷/۹]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☜ مذکورہ آیت میں فتحہ والی قراءت صاحب حق کی جانب سے کاتب اور شہید کو تکلیف پہنچانے سے باز رکھتی ہے، جبکہ رفع والی قراءت کاتب اور شہید کی جانب سے صاحب حق کو ضرر پہنچانے سے روکتی ہے۔ چونکہ دونوں قراءات ایک دوسرے کو ضرر پہنچانے سے باز رکھتی ہیں لہٰذا دونوں قراءتوں میں کسی قسم کا کوئی تعارض باقی نہیں رہ جاتا۔

✳ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَإِنْ كُنتُمْ مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا﴾ [النساء:۴۳]

اس آیت کے کلمہ 'لمستم' میں دو قراءتیں بیان کی گئی ہیں:

① الف کے بغیر 'لمستم'۔ یہ قراءت حمزہ، کسائی اور خلف رحمہم اللہ کی ہے۔

② الف کے ساتھ 'لامستم' یہ قراءت قراء عشرہ میں سے دیگر قراء رحمہم اللہ کی ہے۔[اتحاف فضلاء البشر:۵۱۳/۱]

پہلی قراءت کا معنی

پہلی قراءۃ جو کہ بغیر الف کے پڑھی گئی ہے، اس کا معنی جماع کرنا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کہا جاتا ہے: 'نکحت' 'ناکحت' نہیں کہا جاتا۔

دوسری قراءت کا معنی

دوسری قراءت جو ثبوت الف کے ساتھ پڑھی گئی ہے، اس کا معنی ہے ہاتھ کے ساتھ چھونا، کیونکہ عورت مرد کو چھوتی ہے اور مرد عورت کو، اور باب مفاعلہ میں جانبین شریک ہوتے ہیں۔[اعراب القراءات:۱۳۴/۱]

اور جب لمس کی نسبت خواتین کی طرف ہو تو یہ جماع سے کنایہ ہوتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''لمس جماع سے کنایہ ہے۔''

'لامستم' میں مختلف قراءات کی بناء پر مسئلہ نقض وضو میں اختلاف کیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ عورت کے ساتھ ایسی مباشرت جس میں جماع نہ ہو، وضو کو نہیں توڑتی۔ لیکن اگر ذکر منتشر ہو جائے تو ایسی صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا۔[التنبیہ للشیرازی:ص۲۱۰]

امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مرد کا شہوت کے ساتھ عورت کو چھونا ناقض وضو ہے۔[مقدمات ابن رشد:۶/۱،الشرح الصغیر للدریر:۵۴/۱،۵۵]

راجح موقف

ہمارے نزدیک راجح مسلک یہی ہے کہ خاتون کو شہوت یا بغیر شہوت چھونا وضو کو نہیں توڑتا اور 'لمستم' اور 'لامستم' دونوں قراءتوں سے مراد جماع کرنا ہے۔ اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''أن النبی ﷺ قبّل امرأة من نسائه ثم خرج إلى الصلاة ولم يتوضأ'' [سنن أبوداؤد:۱۷۹]

''رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک بیوی کو بوسہ دیا پھر آپ ﷺ نماز کے لیے نکلے اور وضو نہ فرمایا۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَحکام فقہیہ پر قراءاتِ شاذہ کے اثرات کا جائزہ

فقہاء کرام رحمہم اللہ نے قراءاتِ شاذہ پر بھی بہت سے اَحکام فقہیہ کی بنیاد رکھی ہے اور انہیں ایک مصدر کے طور پر استعمال کیا ہے۔اس کی اَمثلہ پیش خدمت ہیں:

روزوں کی قضا میں متابعت کا حکم:

فرمان الٰہی ہے: ﴿أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [البقرة:۱۸۴]

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہاں ’’فعدة من أيام أخر متتابعات‘‘ [تفسیر الکبیر:۱۷۰/۱] پڑھا ہے۔ اسی ضمن میں علماء کرام نے رمضان میں رہ جانے والے روزوں کی قضا میں اختلاف کیا ہے کہ آیا یہ مسلسل رکھے جائیں گے یا الگ الگ بھی رکھے جاسکتے ہیں؟

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، امام نخعی رحمہ اللہ، شعبی رحمہ اللہ اور دیگر کا خیال ہے کہ ان کا مسلسل رکھنا واجب ہے۔امام داؤد ظاہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’يجب التتابع ولا يشترط‘‘ [المجموع للنووی:۲۶۷/۶]

’’بغیر کسی شرط کے متابعت ضروری ہے۔‘‘

تین وجوہ سے قراءت اُبی رضی اللہ عنہ کی تائید ہوتی ہے:

1. حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

   «من كان عليه صوم من رمضان فليسرده ولا يقطعه» [سنن الدار قطني]

   ’’جس کسی پر رمضان کے روزے ہوں وہ انہیں مسلسل رکھے اور منقطع نہ کرے۔‘‘

2. انسان کو چاہیے کہ اللہ کے حقوق جس قدر جلدی ممکن ہو اَدا کردے، کیونکہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے:

   ﴿وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ [آل عمران:۱۳۳]

   ’’اور اپنے رب کی بخشش کی جانب دوڑ کر چلو۔‘‘

   اور یہ جلدی روزوں کو مسلسل رکھنے سے ہی ہوسکتی ہے، جو کہ واجب ہے۔

3. قضاء اداہی کی مثل ہے، تتابع جس طرح ادا میں واجب ہے بالکل اسی طرح قضاء میں بھی واجب ہے۔

   جمہور رحمہم اللہ کا خیال ہے کہ روزوں میں تفریق جائز ہے،لیکن متابعت مستحب ہے۔

[المجموع للنووی:۲۶۷/۶، المغنی:۸۸/۳،المحلی:۲۶۱۳]

ان کی دلیل اللہ کا قول ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ ہے۔ یہاں نکرہ سیاقِ اثبات کے لیے ہے جو کہ اطلاق کا فائدہ دیتا ہے۔اس آیت میں روزوں کی قضاء کا مطلق حکم دیا گیا ہے اگر اس سے مراد تتابع ہوتا تو اسے صریح الفاظ میں بیان کیا جاتا جیسا کہ ’قتل‘ اور ’ظہار‘ کے کفارہ میں مسلسل روزوں کا حکم دیا گیا ہے۔فرمان الٰہی ہے:

﴿فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا﴾ [المجادلة:۴]

’’اور جو شخص غلام نہ پائے وہ دو مہینے کے پے در پے روزے رکھے قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔‘‘

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

◉ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
''جو شخص مرض یا سفر کی وجہ سے رمضان کے روزے چھوڑ دے تو وہ ان کی کسی بھی وقت قضائی دے سکتا ہے اور قضاء میں مسلسل روزے رکھنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ آیت ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ میں تتابع کا حکم نہیں دیا گیا۔
[الأم:۱۰۳/۲]

◉ امام شافعی رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:
''العدة أن يأتي بعدد صوم لا ولاء''[الأم:۶۶/۷]
''عدت عدد صیام میں ہے نہ کہ ان کو ملا کر رکھنے میں۔''
امام صاحب نے قراءت اُبی رضی اللہ عنہ کو دلیل نہیں بنایا، کیونکہ یہ قراءت منسوخ ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:
''جب آیت ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ نازل ہوئی تو 'متتابعات' کو ساقط کر دیا گیا'[مصنف عبدالرزاق:۲۴۱/۴، سنن دار قطنی:۱۹۲/۲] لیکن مطلق حکم باقی رہا۔
آپ کے قول کی تائید درج ذیل فرمان الٰہی سے ہوتی ہے:
﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾[البقرة:۱۸۵]
''اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے نہ کہ سختی۔''
مسلسل روزے رکھنے میں جہاں آسانی کی نفی ہوتی ہے وہاں تکلیف کا اثبات بھی ہوتا ہے۔جو آیت کے ظاہری مفہوم کے خلاف ہے۔

تفریق کے جواز پر دلالت کرنے والی اَحادیث

① حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے روزوں کی قضا کے بارے میں فرمایا:
''إن شاء فرق، وإن شاء تابع'' [سنن الدارقطني:۱۹۲/۲]
چاہے تو تفریق کر لے اور اگر چاہے تو مسلسل روزے رکھ لے۔''
② ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ قضاء رمضان سے متعلق دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا:
''يقضيه تباعا، وإن فرقه أجزأه''[سنن الدار قطني:۱۹۲/۲]
''قضاء مسلسل دی جائے گی اگرچہ روزوں کو مختلف اوقات میں چھوڑا ہو۔''
③ محمد بن منکدر رحمہ اللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ سے روزوں کی قضائی دیتے ہوئے ان کے مابین تفریق کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:
"ذلك إليك، أرأيت لو كان على أحدكم دين فقضى الدرهم والدرهمين ألم يكن قضاء؟ فالله أحق أن يعفوا أو يغفر"[سنن الدارقطني:۱۹۴/۲،سنن بيهقي:۲۵۹/۴]
''اس کا انحصار تم پر ہے، جب تم پر کسی کا قرض ہوتا ہے تو وہ ایک ایک، دو دو درہم کر کے ادائیگی کرتا ہے تو کیا اس کی طرف سے ادا نہیں ہو جاتا؟ لہٰذا اللہ تعالیٰ زیادہ حق رکھتے ہیں کہ وہ معاف کریں اور بخش دیں۔''
اِن اَحادیث پر اگرچہ استنادی اعتبار سے بحث کی گئی ہے، لیکن یہ تمام مل کر اپنے مؤقف کو تقویت ضرور پہنچاتی ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◉ زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر کہا جائے کہ قراءۃ اُبی ''فعدة من أيام أخر متتابعات'' ہے تو ہم کہیں گے کہ قراءۃ اُبی مشہور کی حد تک نہیں پہنچتی۔ لہٰذا اس سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مشہور قراءت کی تخصیص نہیں کی جاسکتی۔'' [تبيين الحقائق: ۱/۳۳۶]

حنابلہ نے بھی اسی بناء پر تتابع کو واجب قرار نہیں دیا بلکہ انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی کفارۃ یمین والی قراءت کو دلیل بنایا ہے۔ ان کے نزدیک قراءت اُبی کی صحت صحیح ثابت نہیں ہے۔

◉ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''فإن قيل فقد روی عن عائشة أنها قالت: نزلت: ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ فسقطت متابعات۔ قلنا هذا إن ثبت عندنا صحته، ولو صح فقد سقطت اللفظة المحتج بها''

[المغني لابن قدامة: ۳/۸۸]

''اگر وہ کہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آیت ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ مُتَتَابِعَاتٍ﴾ نازل ہوئی تو اس نے متتابعات کو ساقط کر دیا۔ تو ہم کہیں گے کہ اگر چہ یہ صحت سند کے ساتھ ثابت بھی ہو تو پھر بھی وہ جس لفظ کو بطور دلیل اختیار کرتے ہیں وہ ساقط ہے۔''

شافعی حضرات، جنہوں نے اس شاذ قراءۃ کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے، کا کہنا ہے کہ یہ قراءت منسوخ نہیں ہے۔

◉ صلاۃ وسطیٰ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ [البقرة: ۲۳۸]

مصحف عائشہ رضی اللہ عنہا اور املاء حفصہ رضی اللہ عنہا میں یہ آیت اس طرح ہے:

''والصلاة الوسطى وهی صلاة العصر'' [جامع البيان للطبری: ۵/۱۷۵]

جبکہ بعض روایات میں ''والصلاة الوسطى وصلاة العصر'' کے الفاظ ہیں۔ [جامع البيان: ۵/۲۰۵]

ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر نے بھی اسی طرح پڑھا ہے۔

مصحف اُم سلمہ رضی اللہ عنہا و حفصہ رضی اللہ عنہا میں واؤ کے بغیر ''والصلاة الوسطى صلاة العصر'' کے الفاظ ہیں:

[جامع البيان: ۵/۱۷۶]

اس آیت میں مختلف قراءات شاذۃ کی بناء پر علماء کرام نے صلاۃ الوسطیٰ سے متعدد معانی کا استنباط کیا ہے۔

جمہور علماء کا خیال ہے کہ اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ [المبسوط: ۱/۱۴۱]

ایک قراءۃ جو کہ ''والصلاة الوسطى صلاة العصر'' کی ہے، اسے دو معاملات پر محمول کیا جائے گا۔

① یہ کہ واؤ زائدہ ہو۔ [فتح الباري: ۹/۲۶۴]

② یہ کہ واؤ عاطفہ ہو، لیکن یہ عطف صفت کا صفت پر ہو نہ کہ ذات کا۔ [السابق والمحلى: ۴/۲۵۶]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ [الاحزاب: ۴۰]

''لیکن وہ اللہ کے رسول ﷺ اور خاتم النبیین ہیں۔''

یعنی رسول اللہ ﷺ ہی خاتم النبیین ہیں۔ پس صلاۃ العصر کہنا صلاۃ الوسطیٰ کی وضاحت ہے جو کہ نماز عصر ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حنفیہ نے نمازِ عصر کے اثبات میں پیش کی جانے والی ان قراءات کو اختیار نہیں کیا، کیونکہ یہ مشہور کی حد تک نہیں پہنچتیں بلکہ انہوں نے اس سلسلے میں واردشدہ صحیح اَحادیث کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔

بہرحال صلاۃ الوسطیٰ سے مراد نماز عصر ہی ہے جس کی تائید درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

◉ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ احزاب کے دن فرمایا:

«ملأ الله قبورهم وبيوتهم نارا كما شغلونا عن صلاة الوسطى حتى غابت الشمس وهى صلاة العصر» [صحيح بخاري:٦٣٩٦]

''اللہ تعالیٰ ان (کافر مکہ) کی قبروں اور گھروں کو اس طرح آگ سے بھردے جس طرح انہوں نے ہمیں صلاۃ وسطیٰ سے مشغول کردیا۔حتیٰ کہ سورج غروب ہوگیا اور وہ (صلاۃ وسطیٰ) نماز عصر ہے۔''

◉ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"الصلاۃ الوسطیٰ صلاۃ العصر"[سنن ترمذی]''صلاۃ وسطیٰ نماز عصر ہے۔''

مالکیہ کا خیال ہے کہ اس سے مراد صبح کی نماز ہے۔ ان کی دلیل اسی آیت میں صلاۃ الوسطیٰ کے بعد مذکور الفاظ ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ ہے۔ان کا کہنا ہے کہ اس سے مراد قنوت ہے اور صحیح احادیث کی روشنی میں قنوت صرف صبح کی نماز میں ثابت ہے لہٰذا اس سے مراد فجر کی نماز ہی ہے۔ ذیل میں بیان کردہ نقطوں سے ان کے مؤقف کی مزید تائید ہوتی ہے:

◉ نماز فجر میں ایسے خصائص پائے جاتے ہیں جو دوسری نمازوں میں نہیں:

✧ اللہ تعالیٰ نے فجر کے قرآن کو مشہود بنایا ہے۔ فرمایا: ﴿إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا﴾[الاسراء:٧٨]

''یعنی یہی وہ نماز ہے جس میں روز وشب کے ملائکہ حاضری دیتے ہیں۔''

✧ ظہر وعصر کو جمع کیا جاسکتا ہے اور سی طرح مغرب وعشاء کو بھی، جبکہ فجر کی نماز میں ایسا نہیں ہے وہ انفرادی طور پر ہی اَدا کی جائے گی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ فجر کی نماز تمام نمازوں میں سے سب سے افضل ہے۔جس کا لازمی مطلب یہی ہے کہ صلاۃ وسطیٰ سے مراد فجر کی نماز کو لیا جائے۔

✧ اس میں شک نہیں ہے کہ نماز فجر کو تاکیدی اعتبار سے انفرادی مقام حاصل ہے، اور یہی وہ نماز ہے جو عمومی طور پر سب سے مشکل تصور کی جاتی ہے، کیونکہ اس کا وقت سونے کے اوقات میں ہوتا ہے۔ اہل عرب نے تو فجر کے وقت نیند کو شہد سے تشبیہ دی ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد نماز ظہر ہے۔[مواھب الجلیل:۴۸۹/۱]

بیان کردہ اَمثلہ سے اس بات میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا کہ قراءاتِ شاذۃ اَحکام فقہیہ میں اثر پذیری رکھتی ہیں اور ان کی مدد سے بہت سے فقہی اَحکام مستنبط کیے جاتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ